Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 01, January - March 2026, **PP**: 15-35
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

کائنات، فطرت اور انسان کا باہمی تعلق: تعلیماتِ قرآنیہ کی روشنی میں

The Interrelationship of the Universe, Nature, and Man: In the Light of Qur'ānic Studies

1. Dr. Moazzam Ali
alimoazzam91@gamil.com

CTI,
Government Graduate College,
Ravi Road, Shahdara, Lahore.

How to Cite: Dr. Moazzam Ali. 2026: "The Interrelationship of the Universe, Nature, and Man: In the Light of Qur'ānic Studies". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (01): 15-35.

Article History:

Received:	**Accepted**:	**Published**:
05-02-2026	01-03-2026	08-03-2026

Copyright: **©The Authors**

Licensing: CC BY — This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

DRJI, Advanced Science Index, CiteFactor, Asian Research Index, SCI, Google Scholar, تحقیقات تحقیقاتی اشاریہ, اردو جرائد اشاریہ, ADL Asian Digital Library, EuroPub

Publisher

HIRA INSTITUTE *of Social Sciences Research & Development*

کائنات، فطرت اور انسان کا باہمی تعلق: تعلیماتِ قرآنیہ کی روشنی میں

The Interrelationship of the Universe, Nature, and Man: In the Light of Qur'ānic Studies

Dr. Moazzam Ali
CTI,
Government Graduate College, Ravi Road, Shahdara, Lahore.
alimoazzam91@gamil.com

Abstract

The interrelationship of the universe, nature, and man, when examined in the light of Qur'ānic studies, reveals an intricately balanced system of divine harmony and purposeful design. The Qur'ān presents a comprehensive cosmological vision in which every element of creation animates or inanimate exists in a state of submission to the Creator, reflecting His wisdom, power, and mercy. Humanity, within this cosmic framework, holds a distinctive yet responsible position as the vicegerent of Allah on earth, entrusted with maintaining balance, justice, and sustainability in all spheres of life. The Qur'ānic worldview thus defines the relationship among man, nature, and the universe not as one of conflict or exploitation but of cooperation, reflection, and moral accountability. In essence, Qur'ānic studies illuminate the interrelationship between the universe, nature, and man as an integrated moral, spiritual, and ecological system rooted in tawḥīd. The Qur'ān envisions a world where every aspect of creation participates in divine order and where humanity's role is to live in harmony with that order protecting, nurturing, and reflecting the Creator's wisdom on earth. This relationship, grounded in reverence and responsibility, provides a timeless framework for addressing modern environmental challenges and reestablishing balance between man and the cosmos under the guidance of divine revelation.

Keywords: *Universe, Nature, Humanity, Qur'ānic Studies, Moral Accountability, Harmony, Divine Revelation.*

تعارف

کائنات، فطرت اور انسان کا باہمی تعلق ایک گتھی کی سی حیثیت رکھتا ہے کہ جس میں سبھی دھاگے باہم اُلجھے ہوئے بھی ہیں اور آپس میں جُڑے ہوئے بھی۔ جو فرد اپنی محدود فکر کے دائرے میں قید رہ کر اِنہیں زورِ بازو سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرے گا وہ بھی اُلجھ جائے گا اور جو انہیں توڑ کر الگ الگ کر کے سیدھا کرنے کی جدوجہد کرے گا وہ بھی خلط مبحث کا شکار ہو جائے گا، کیونکہ یہ سب عوامل ایک ہی منبع و مرکز سے ملے ہوئے ہیں اور انہیں اُسی مصدر کے ساتھ بندھے ہونے کی بنیاد پر جانچا و پرکھا جانا چاہیے۔ تبھی یہ تعلق ایک نظم کی صورت میں دکھائی دے گا اور تبھی اِس گتھی کا ہر دھاگہ سلجھا ہوا بھی نظر آئے گا اور باہم جڑا ہوا بھی ملے گا، کیونکہ ایک طرف سورج، چاند اور اَن گنت ستارے، سیارے اور کہکشاں روشنی، حرارت، رہنمائی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ خوبصورتی و رعنائی کے سبب باعثِ حیرت بنے ہوتے ہیں کہ حدود سے ماوراء جہانوں کو کیسے بغیر ستونوں کے کھڑا کیا گیا ہے اور برقی قمقموں کی مانند آسمانی دنیا کو کیسے سجایا ہوا ہے؟

بعینہ متعین اصول و ضوابط بھی فطرت کی شکل اختیار کیے ہوئے اس نظام میں ایک خادم بلکہ سہولت کار کہا جائے تو حقائق سے انحراف نہیں ہوگا کہ اپنی حیثیت میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ پانی راحت فراہم کرنے کے لیے ہمہ وقت موجود ہے، آگ

ایندھن کی شکل اختیار کیے ہوئے ہر لمحہ حرارت پہنچا رہی ہے، دیگر مخلوقات اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خدمات مہیا کرنے کے لیے پل پل حاضر ہیں تاکہ خوراک سے متعلق ضروریات وخواہشات کو بروقت پورا کیا جاسکے۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ کائنات، فطرت اور انسان کا آپس میں تعلق بہت گہرا اور باہم مربوط ہے جس کی نوعیت دو طرح بیان کی جاسکتی ہے، جن میں سے پہلی نوعیت خادم و مخدوم کی ہے۔ ان میں سے اگر اول الذکر کائنات کے حوالے سے بات کی جائے تو اس کی حیثیت انسان کی نسبت سے خادم کی سی ہے کیونکہ انسان کو خوراک، لباس اور رہائش کے حوالے سے جس قدر بھی ضروریات درپیش اور جو بھی وسائل درکار ہیں وہ کائنات کی شکل میں مہیّا کردیے گئے ہیں۔ عام طور پر کائنات سے آسمانی دنیا کو مراد لیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں جتنی بھی مادی اشیاء ہیں وہ سب کی سب کائنات کے زُمرے میں آتی ہیں، لہٰذا خوراک کے لیے جو بھی انسان کی ضروریات ہیں انہیں زمین سے اُگایا گیا ہے تاکہ ان سے استفادہ کیا جاسکے، لباس کے لیے جو اشیاء لازمی ہوتی ہیں اُن کا ذخیرہ بھی زمین کے سینے میں دفن کردیا گیا ہے اور رہائش و دیگر حفاظتی معاملات کے لیے جو جو بھی اشیاء مطلوب ہوتی ہیں انہیں بھی زمین میں محفوظ رکھا گیا ہے اور بعض اشیاء جن کے سبب اپنے حفاظتی اقدامات کو یقینی بناسکتا ہے، کو آسمان سے بھی نازل کیا گیا ہے جیسا کہ لوہا وغیرہ۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ کائنات کو ایک خادم کی حیثیت میں مقرر فرمادیا گیا ہے کہ وہ انسان کی سہولت کے لیے تمام اشیاء فراہم کرتی رہے تاکہ اُن سے بقدرِ ضرورت واستطاعت مستفید ہونے کی تگ ودو جاری رہے۔

دوسرے درجے پر فطرت کو شمار کیا جاتا ہے۔ فطرت کو ایک سہولت کار کی شکل دے کر تعینات کردیا گیا ہے کہ زمین کے کس علاقے میں کتنی مقدار میں پانی درکار ہے، اُسے ہواؤں کے ذریعے وہاں پہنچایا جائے تاکہ زمین سیراب ہوسکے اور اپنے خزانوں کو اُگلنے کی قابلیت حاصل کرسکے۔ جہاں حرارت کی ضرورت درپیش ہو وہاں سورج کے ذریعے مطلوبہ درجۂ حرارت پیدا کیا جائے تاکہ آب وہوا انسان کو موسمیاتی سہولت باہم پہنچا سکے اور جہاں ٹھنڈک درکار ہو وہاں برف باری یا ہوا کے ذریعے موسم کو ابر آلود کردیا جائے تاکہ ماحول میں ٹھنڈک کا احساس پیدا ہو اور مطلوبہ اہداف کو حاصل کیا جاسکے۔ لہٰذا یہ واضح ہوا کہ کائنات کی شکل میں ایک خدمتگار اور فطرت کی صورت میں ایک سہولت کار انسان کے لیے مستقل بنیادوں پر مقرر فرمادیئے گئے تاکہ وہ ایک خادم کی حیثیت سے مخدوم (انسان) کی خدمت کرنے کے لیے ہمہ وقت موجود رہیں۔

اسی تعلق کی دوسری نوعیت کو زیر بحث لایا جائے تو تینوں عوامل اس میں لازم وملزوم کی شکل اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کائنات کی بات کی جائے تو اس کے عناصر ترکیبی کے درمیاں ایک خاص شرح، تناسب اور توازن موجود ہے، جو لازم کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان تمام عناصر کو اسی تناسب وشرح سے موجود ہونا چاہیے تھا تبھی زندگی کا استحکام ممکن بنایا جاسکتا ہے، ورنہ زندگی کے قیام کے لیے مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ اسی طرح فطرت کی صورت میں جو اصول وقواعد، توازن واعتدال کے ساتھ مقرر فرمائے گئے ہیں کہ سطحِ زمین پر ہوا کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟ کب اور کہاں سے گزرتے ہوئے اس کی رفتار کتنی ہونی چاہیے؟ کب اور کیسے ہواؤں کو خوشخبری دینے والیاں بنا کر بھیجا جاسکتا اور کون سی اُن کی نوعیت دہشت کی علامت تصور کی جانی چاہیے؟ یہ سب پہلے سے متعین کردیا گیا۔ اسی طرح زمین کے ماحول میں درجۂ حرارت کس حد تک بڑھایا جانا چاہیے اور کہاں کہاں کم رکھا جانا چاہیے اور کن کن علاقوں میں درجہ حرارت میں تغیر وتبدل ہوتے رہنا چاہیے تاکہ زندگی کے قیام کے لیے اُسے کارآمد بنایا جاسکے اور اسی پیمانے پر ٹھنڈک کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

سورج طلوع وغروب ہونے کا وقت طے کرنا، گرمیوں وسردیوں میں اوقات میں اختلاف کا پیدا کیا جانا، سرد موسم سے

گرم موسم کی طرف ماحول کو منتقل کرنا، بہار سے خزاں اور خزاں سے پھر بہار کی طرف زمین کی رونقوں کو لوٹانا کس انداز میں کیا جانا چاہیے؟ یہ سب ایک تدریجی شکل میں انجام دیا جاتا ہے، طے شدہ اصول ضوابط کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے اور زندگی کے استحکام کے لیے اسی توازن، اعتدال اور تدریج کا ہونا لازمی امر ہے۔

اسی طرح انسان کے وجود کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کوئی ایسا ذرّہ کائنات نہیں اور کوئی ایسا قاعدہ وکلیہ موجود نہیں جس کا بنیادی مقصد ایک خادم کی حیثیت سے مخدوم یعنی انسان کی خدمت گزاری کرنا نہ ہو بلکہ انسان ازل سے آتے اور چلے جارہے ہیں، لیکن سابقہ مذکورہ عناصر ہمہ وقت وہمہ تن سبھی کو دستیاب ہیں۔ انہیں فرائض میں غفلت برتنے کی اجازت نہیں دی گئی لیکن اسی بحث کی دوسری جہت پر غور کیا جائے تو جہاں ایک طرف خلیفہ ہونے کی وجہ سے باقی تمام مخلوقات خادم کی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں اور انسان مخدوم کی، تو وہیں اِسی انسان کو نائب ونگران بھی بنایا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[1]

میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

اس مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کی نگہبانی کا فریضہ سر انجام دے سکے، فطری اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے انسان پر بھی لازم کیا گیا ہے کہ کائنات کے حسن وجمال کو قائم اور نظم کائنات کو احسن انداز میں چلانے کو مقدم جانے اور اسی کائنات میں موجود وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرے، تاکہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق جو عوامل مفید ہیں اُن سے استفادہ کر سکے اور جن سے اجتناب برتنے کی تاکید کی گئی ہے، اُن سے دور رہے تاکہ خرابی پیدا نہ ہو۔

دوسری جانب شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے انسان نے تہیہ کر رکھا ہے کہ نہ کائنات کی مخلوقات کی پاسداری کرنی ہے اور نہ ہی فطری اصولوں کو پر کاہ کی وقعت دینی ہے، جبکہ تخریب کاری میں روز بروز اضافہ کرتے چلے جانا ہے، جس کے سبب نظم کائنات میں تغیر وتبدل پیدا ہوتا جارہا ہے۔ عصر حاضر میں اہل علم حضرات خدشات کا اظہار کر رہے ہیں کہ جیسے جیسے اس نظم میں انسان کی حرکات وسکنات کی بدولت تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں عنقریب یہ دنیا، یہ جہاں اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا، کیونکہ کائنات میں پھیلاؤ پیدا ہوتا جارہا ہے اور اس میں موجود دیگر مخلوقات آہستہ آہستہ ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ فطرت اپنے طے شدہ اصولوں کے برخلاف عمل پذیر ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے کوئی ذات موجود ہے جس نے اپنے مختلف کارندوں کو احکامات جاری کر رکھے ہیں کہ سامان زیست سمیٹنا شروع کر دیا جائے تاکہ وہ لمحہ جس میں کائنات اپنا وجود برقرار نہیں رکھ پائے گی اور فطرت طے شدہ اصولوں کے برعکس امور سرانجام دے گی، کی تیاری کی جاسکے لیکن اس دوران سب سے زیادہ غفلت کا شکار آج کا انسان دکھائی دیتا ہے جسے نگران، محافظ بنا کر بھیجا گیا، اُسی کی نسل نو نے تخریب کار کا روپ اختیار کر لیا ہے لہٰذا اس لحاظ سے شعوری آگاہی دی جانی چاہیے کہ کائنات، فطرت اور انسان کا تعلق باہمی کس طور پر منظم ومربوط ہے اور کیسے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں تاکہ برپا ہونے والے نقصانات کے آگے بند باندھنے میں معاونت حاصل ہو۔

کائنات کے عناصر ترکیبی میں ردّوبدل حیات انسانی کے لیے خطرات کی گھنٹیاں بجا رہے ہیں جن سے وجود انسانی میں آئے روز مختلف بیماریوں ودیگر عوارض کا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، جبکہ تاریخ انسانی میں ایسے متعدد واقعات جو اسے ورطۂ حیرت میں مبتلا کرتے رہے ہیں کیونکہ وہ فطرت کے طے شدہ اصول وضوابط سے ہٹ کر منصۂ شہود پر آئے جیسا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور پھر واپس مل جانا وغیرہ اُن سب کا تعلق معجزات انبیاء کرام علیہم السلام اور علامات قرب قیامت سے ہے، لہٰذا انہیں قیاس کر کے نتیجہ اخذ

نہیں کیا جاسکتا کہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے اور دوبارہ ہونا بھی محال ہے اور اسی طرز کی دیگر تخریب کاریاں جیسا کہ ہوائی آلودگی، فضائی آلودگی اور آبی آلودگی پیدا کرنے اور بڑھانے کے بھی مجاز ہیں۔

جب جب فطری اصول رُخ بدلتے رہے ہیں تو بھی انسان دانتوں میں اُنگلیاں دبائے محوِ حیرت کھڑا رہا کہ وہ افعال معمول عام کے مطابق نہیں تھے، جیسا کہ آگ کا کام جلانا ہے لیکن وہی آگ "بردًا وسلاما" کا روپ دھار لیتی ہے اور بزرگ و برتر ہستی محفوظ ومامون رہتی ہے۔اسی طرح پانی کا کام ڈبونا ہے لیکن عصاء موسیٰ کی ضرب سے حفاظتی حصار میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پیچھا کرنے والوں کو غرق کر دیتا ہے، جبکہ ہوا جب آندھی کی صورت اختیار کرتی ہے تو خوفناک حادثات ہونے لگتے ہیں لیکن یہی ہوا تختِ سلیمانی کو اُٹھائے پھرتی ہے اور کسی کا ذرّہ برابر بھی نقصان نہیں ہوتا۔لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ خالق ومالک نے ان تینوں عناصر کو عمومی طور پر باہم مربوط و منظم ترتیب دیا ہوا ہے لیکن کبھی کبھار خلاف عادات امور بھی واقع ہو جاتے ہیں اور اسی طرح انسان کو بھی انہی عوامل کے درمیان خلیفہ بنا کر مامور کیا گیا ہے تاکہ کائنات میں غور وفکر کرنے اور فطری اصولوں کو اپنے حق میں استعمال کر کے من چاہا استفادہ حاصل کر سکے۔لہٰذا مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ان عناصر ثلاثہ کے تعلق کو مندرجہ ذیل جہات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

کائنات

کائنات ایک مادی تخلیق ہے، جو روز بروز پھیلتی چلی جارہی ہے۔جسے رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور ہر لمحہ اس کی وسعتوں میں اضافہ فرماتا چلا جارہا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ[2]

اور آسمان کو ہم نے (اپنی) قدرت سے بنایا اور بیشک ہم وسعت وقدرت والے ہیں

بعینہٖ جیسے خالق دوجہاں نے اس کا آغاز فرمایا ہے ویسے ہی اِسے منطقی انجام کی طرف لوٹایا جائے گا۔فرمان الٰہی ہے کہ:

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ[3]

جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے جیسے سِجِل فرشتہ نامۂ اعمال کو لپیٹتا ہے ہم نے جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ ہم کو اس کا ضرور کرنا۔

اسی آسمانی دنیا کو بغیر کسی سہارے کے سات طبقات کی صورت میں تخلیق فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اَلَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا[4]

وہ جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے۔

اور پھر اس کائنات کو دیگر مخلوقات سے مزین فرمایا گیا۔فرمان الٰہی ہے کہ:

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ[5]

اور ضرور بیشک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا۔

کائنات سماوی میں مختلف اجرام فلکی جیسا کہ ستارے، تارے، کہکشاں، سورج، چاند، بروج و دیگر لاتعداد جہاں آباد ہیں جن سے انسان ابھی تک واقف نہیں اور مستقبل قریب میں بھی آثار دکھائی نہیں دیتے کہ وہ کامل آگاہی حاصل کر سکے گا۔اِسی کائنات میں زمین کا ایک کرّہ بھی شمار کیا جاتا ہے جس کی سات تہیں یا اُسی طرز پر سات زمینیں بیان کی گئی ہیں۔ان سب کا مقصدِ اوّلین اِن دنیاؤں میں غور وفکر کرنا ہے، تاکہ مالک حقیقی کی طرف رجوع کیا جاسکے اور اُسی کی حمد وثنا بیان کی جائے جو حقیقت میں اس کا مستحق

ہے۔اسی لیے اہلِ خرد کو مخاطب فرمایا گیا کہ:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔[6]

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

یہ اس لیے کہ انسان اپنے خالق ومالک کی ذات والاصفات کو پہچان سکے کہ جس نے کائنات میں موجود ہر ذرّہ کو ایک کردار دیا ہوا ہے اور اسی دیے گئے کردار کی ادائیگی میں اپنے شب وروز بسر کیے جارہا ہے کہ جیسے اِسی میں اُس کی ذات کی بقاء مضمر ہے۔جیسا کہ فرمایا گیا کہ:

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَؕ-كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۔[7]

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔سب ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

انہی ستاروں کے ذریعے انسان رہنمائی بھی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِؕ[8]

وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔

اِنہی جہات کو آنحضور اکرم ﷺ نے درج ذیل الفاظ کی صورت میں بیان فرمایا کہ:

خلقَ اللهُ تَعَالَى هَذِه النجومَ لثلاثٍ جَعَلَهَا زِينَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدَى بِهَا فَمن تأَوَّلَ فِيهَا بِغَيْرِ ذَلِكَ أَخْطَأَ وَأَضَاعَ نَصِيبَهُ وَتَكَلَّفَ مَالا يَعْلَمُ[9]

خدا تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے: آسمان کو سنوارنے کے لیے، شیطانوں کو بھگانے کے لیے اور نشانیوں کے طور پر جن سے رہنمائی حاصل کی جائے۔جس نے ان کی دوسری تشریح کی اس نے غلطی کی، اپنا حصہ کھو دیا اور اپنے اوپر بوجھ ڈالا جس کا اسے علم نہیں تھا۔

مذکورہ بالا بحث سے بنیادی طور پر درجہ ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

1. کائنات تدریجاً منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہے۔
2. مقصدِ تخلیق، انسان کا غور وفکر کرکے اپنے خالق ومالک کو پہچاننا۔
3. سمندری سفر میں رہنمائی ودیگر ضروریات کی تکمیل کے لیے کائنات وفطرت سے مستفید ہونا۔

مادی مخلوقات میں کچھ کو مسخر جیسا کہ ہوا، آگ وغیرہ اور کچھ کو مطیع بنایا گیا ہے جیسا کہ پانی ومٹی وغیرہ، تاکہ انسان بقدر استطاعت ان سے مستفید ہوسکے۔مسخر اور مطیع میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مسخر کے لفظ میں جدوجہد، محنت شاقہ اور جہد مسلسل کا عمل دخل ہوتا ہے کہ انسان اُن اشیاء سے تگ ودو کرکے ہی استفادہ اُٹھا سکتا ہے، بصورت دیگر وہ موجود تو ہوتی ہیں مگر بروئے کار نہیں لائی جاسکتیں کہ انہیں استعمال کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں کو حرکت دینی ہوگی تبھی وہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔اس محنت شاقہ کا مقصد یہی واضح ہوتا ہے کہ انسان فطری قوانین سے ہم آہنگ ہوکر کائنات کے امور پر اختیار حاصل کرسکے۔جبکہ مطیع ہونے میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔یہاں تگ ودو نہیں کرنی پڑتی بلکہ برضا ورغبت والا معاملہ پیش آتا ہے جس میں خود کے انتخاب کا حق دوسروں کو سونپنا ہوتا ہے۔اس میں خود کی ذات کی نفی مطلوب ہوتی ہے اور تسخیر میں دوسروں کا کامل اختیار حاصل کرنا درکار ہوتا ہے۔لہٰذا کائنات انسان کے لیے مسخر کردی گئی تاکہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جتنا استفادہ حاصل کرسکتا ہے کرلے۔جبکہ دوسری طرف اُسے خالق ومالک کے سامنے اطاعت گزار ہوکر پیش ہونے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ اُس کی تخلیق کا مقصدِ اوّلین کامل صورت میں پورا ہوسکے۔وہ

مطلوبہ مقصد اس کی آزمائش کا مرحلہ ہے جیسا کہ درجہ ذیل آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاؕ[10]

وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہیں جانچے کہ تم میں کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ کے الفاظ کی ترتیب بھی ایک منفرد پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو شے عارضی ہے اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے جیسا کہ الموت اور جو شے مستقل طور پر موجود رہے گی اس کا تذکرہ بعد میں کیا گیا ہے، جیسا کہ الحیات۔ حالانکہ مشاہدہ عام کی بات ہے کہ وقتی لحاظ سے موت واقع ہونے پر زندگی کا خاتمہ ہوتا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس اسلامی لٹریچر میں بیان کی گئی ہے کہ یہاں موت واقع ہونے سے زندگی کا اختتام نہیں بلکہ دوسرے جہاں میں انتقال مراد لیا جانا چاہیے کیونکہ حساب ابھی باقی ہے۔ خلق الموت والحیٰوۃ کی ترتیب سے یہ حکمت بھی عیاں ہوتی ہے کہ اس کائنات میں زندگی کو اچکنے کے لیے موت ہر لمحہ اس کا پیچھا کرتی ہے، موت زندگی کی حفاظت کر رہی ہے۔

موت وحیات کا دوسرا مقصد یہ بیان فرمایا گیا کہ "لیبلوکم احسن عملا" تا کہ تمہیں آزمایا جائے اور کسی آزمائش کے لیے وقت کا تعین، کائنات میں موجود تمام مقامات میں سے کسی ایک مقام کا انتخاب اور فطری قوانین میں بظاہر تھوڑی سی تحریف کر کے نتائج کو ظہور میں لایا جاتا ہے، تا کہ انسان کے اعمال کو آزمایا جائے کہ وہ بوقت مصیبت کس طرح کے افعال سرانجام دیتا ہے۔ اگر اعمال میں کھرا اُترے گا تو بہترین جزاء سے نوازہ جائے گا اور اگر ہاتھ پاؤں پھول گئے تو سزا سے ہمکنار ہو گا، لہٰذا اقانیم ثلاثہ زندگی، موت اور وقت کا اہم کردار ہوتا ہے کیونکہ اس مرئی دنیا میں ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ[11]

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔

جبکہ اس مادی دنیا میں تشریف لانے سے قبل عالم ارواح میں بھی انسان حیات تھا اور کائنات کی اِن وسعتوں سے موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد بھی اس نے باہر نکل جانا ہے، جہاں اعمال کی بنیاد پر جزو سزا کا تعین کیا جائے گا اور وہاں جو زندگی ملے گی وہ بھی مستقل بالذات ہو گی جس سے واضح ہوتا ہے کہ حیات مستقل ہے اور موت عارضی شے ہے، اس لیے عارضی شے کا تذکرہ پہلے کیا گیا اور مستقل کا بعد میں۔ لہٰذا اس دنیا میں انسان کی موجودگی کو مختلف جہات سے بیان فرمایا گیا ہے جن میں سے ایک جہت مسافر کی طرح ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ[12]

اس دنیا میں ایسے رہو جیسے تم اجنبی ہو یا مسافر۔

اسی پہلو کو ایک اور انداز میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ دنیا مسلمان کے لیے ایک قید خانہ ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ:

أَنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ[13]

بے شک یہ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

تیسرا پہلو انسان کے لیے ایک آزمائش گاہ کی حیثیت سے ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ:

لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[14]

تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔

چوتھی حیثیت ایک نگران کی ہے کہ خلیفہ بننے کے بعد انسان یہاں رب تعالیٰ کہ طرف سے نگران بنا کر بھیجا گیا ہے، تا کہ

وہ کائنات میں غور و فکر کرے، اس کی اشیاء سے استفادہ حاصل کرے اور اپنے خالق و مالک کی تسبیحات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نازل کردہ احکام کی اتباع کرے اور ممنوعات سے خود کو محفوظ رکھے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[15]

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

امر و نہی کے بارے میں حکم دیا گیا کہ:

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[16]

بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

پس واضح ہوا کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد انسان کے لیے دعوت فکر کے ذرائع پیدا کرنا، اُس کی ضرورت و سہولت کے پیش نظر وسائل کا فراہم کیا جانا اور اس کے ساتھ ساتھ موت، حیات اور وقت کو متعین کیا جانا لازم و ملزوم امور ہیں، تاکہ واضح ہو سکے کہ کون کائنات میں موجود مقامات پر کیا عمل کرتا ہے، کتنی دیر تک کرتا ہے، اُس کے کیا اثرات مرتب ہوتے اور کن کن آزمائشی مراحل سے گزرنے کے بعد موت سے ہمکنار ہوگا تاکہ بعد کی زندگی میں جزا و سزا سے نوازا جاسکے۔

فطرت

فطرت ایک غیر مرئی قوانین پر مشتمل مربوط نظام کو کہا جاسکتا ہے جو پوری کائنات میں یکساں طور پر نافذ العمل ہے۔ نہ تو ان میں کسی بھی طرح کی کوئی تبدیلی ممکن ہے اور نہ ہی انہیں کسی کے اختیار میں دیا گیا ہے کہ کوئی اُن میں من چاہی تبدیلی کرسکے، لہٰذا یہ ازل سے جس طرح تخلیق ہوئے ویسے ہی چلے آرہے ہیں اور روزِ قیامت تک ایسے ہی چلتے جائیں گے جنہیں اختصار کے ساتھ، ابتداء، ارتقاء، عروج، زوال اور اختتام جیسے مراحل سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ زندگی، موت اور وقت کی تخلیق، کائنات، فطرت اور انسان میں مشترک اقدار ہیں جو وقتاً فوقتاً دورانیہ کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر یہ تینوں عوامل مسلسل وقوع پذیر رہتے ہیں، ان میں تغیّر پیدا ہوتا رہتا ہے لیکن ٹھہراؤ ممکن نہیں اور نہ ہی ایسا کرنا کسی انسان کے بس کی بات ہے بلکہ یہ سب ان کے خالق کے دست قدرت میں ہی ہے کہ وہ اِن قوانین میں ردّ و بدل کرسکے۔ حتیٰ کہ معجزات کے بارے میں بھی شارحین و مفسرین کی ابحاث میں یہ نقطہ موجود ہے کہ وہ بھی پہلے سے طے شدہ امور تھے جن کے ظہور کا وقت رب تعالیٰ کے علم میں متعین تھا، لہٰذا جب مطلوبہ معاملات، مقررہ وقت پر کامل صورت اختیار کر گئے تو وہ محیر العقول واقعہ رونما ہو گیا، لہٰذا فطرت کا معنی اصول و ضوابط اور صفات و خاصیات مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا[17]

(یہ) اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت (ہے) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔

اور اسی پہلو کو حدیث مبارکہ میں درجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْمِلَّةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُشَرِّكَانِهِ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذَلِكَ؟ قَالَ: اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ بِهِ[18]

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مشرک بنا دیتے ہیں۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اس سے پہلے مرنے والوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے کہیں بھی جواہرات، نباتات، چرند و پرند اور حیوانات مراد نہیں لیے گئے جو کہ عموماً بیان

کیا جاتا ہے، جبکہ اصول وضوابط وصفات وخاصیات مراد لیا جائے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مرد وعورت کے ملاپ سے یا کائنات میں موجود تمام مخلوقات چرند وپرند، نباتات وحیوانات اور پھول وکلیاں سبھی میں مذکر ومؤنث کے ملاپ سے ہی اگلی نسل وجود میں آئے گی اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی تخلیق کے بعد بھی یہی اصول انسانوں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے ماسوائے مستثنیات کے۔ لہٰذا یہ ایک فطری اصول ہے کہ اولاد، والدین سے ہی جنم لے گی اور اسی طرح یہ تسلسل تا قیامت قائم رہے گا۔ جب صفات وخاصیات کو زیر بحث لایا جائے تو بھی یہاں فطری اصول ہی دکھائی دیتا ہے کہ از حضرت آدم وحوا علیہما السلام خالق دوجہاں نے جتنے بھی انسان تخلیق فرمائے ان میں جو عناصر ترکیبی اول مرتبہ ترتیب دیے وہی چلے آرہے ہیں، کسی ایک فرد میں بھی تغیر دکھائی نہیں دیتا۔ جو صفات وخصوصیات والدین میں ہوتی ہیں وہی ہر مخلوق میں اگلی نسل کو منتقل ہو جاتی ہیں، رنگ، خوشبو، بول وچال وڈھال اور قد وکاٹھ سبھی کم وپیش اسلاف سے منتقل ہوتا چلا آرہا ہے لہٰذا یہ کہنا بجا طور پر درست ہو گا کہ فطرت سے مراد اصول وضوابط اور صفات وخصوصیات ہی مراد لیا جانا زیادہ قرین قیاس سجھائی دیتا ہے کیونکہ مشاہدہ عام کی بات ہے کہ تمام دیگر مخلوقات سے صرف نظر کرتے ہوئے حضرت انسان کو زیر غور لایا جائے تو محبت ونفرت، اخلاقی رذائل وشمائل، بغض وحسد وکینہ، مودّت ومروّت، حلال وحرام، پاک وپلید کا تصور صرف اسی مخلوق کے لیے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ ایک طرف فطری طور پر: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا [19] (کہ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔) کے ضمن میں اسے اچھے وبرے کی تمیز ودیعت کر دی گئی ہے، تو دوسری طرف الہامی کتب کی صورت میں مسلسل سلسلہ کلام وانصرام جاری رکھا گیا ہے، تاکہ انسان کی اصلاح وفلاح کا تسلسل قائم رکھا جائے اور اُسے وقتاً فوقتاً ایسے احکام سے آگاہ کیا جاتا رہے جن کے ذریعے اس کی بہتری کی راہ کشادہ تر ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا فطرت سے مراد طے شدہ اصول وضوابط اور صفات وخصوصیات کو ہی معتبر سمجھے جانے کے قابل گردانا جا سکتا ہے کہ ہوا، پانی اور حرارت کی خاص مقدار مقرر کر دی گئی، آمد ورفت کا منظم نظام وضع کر کے نافذ فرما دیا گیا اور سبھی مخلوقات میں پیداواری صلاحیت ودیعت کر کے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا کر کے زادِ راہ تھما کر جانب منزل چلا دیا گیا تاکہ سبھی کو ایک متعین وقت پر جمع کیا جا سکے۔ سبھی اُسی طرف خراماں خراماں بڑھتے جا رہے ہیں اور یہی فطری قواعد وضوابط کا عملی اطلاق اور انہی کے مطابق سب کچھ ظہور ونا پید ہو گا۔

انسان

انسان مختلف عناصر کے مجموعہ اور روح پر مشتمل وجود رکھتا ہے۔ عناصر میں تناسب، تنظیم وترتیب اور تشکیل کے عوامل کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں پر ہلکا سا بھی جھول محسوس نہیں ہوتا۔ پھر مختلف ہڈیوں کے ذریعے اس وجود کو توازن فراہم کیا گیا جو کہ انہی عناصر کے مختلف مرکبات سے مل کر بنی ہوتی ہیں جن سے پورا وجود تشکیل پاتا ہے۔ پھر دل، گردے، پھیپھڑے، دماغ اور رگیں بنائیں جو کہ جسم کے ذرے ذرے تک مائع (خون) گیس (آکسیجن وکاربن ڈائی آکسائڈ) پہنچانے وخارج کرنے کے نظام پر مشتمل ہوتا ہے، جن میں خرابی در آنے سے فشار خون جیسے مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں جس کے نتیجہ میں وجود انسانی کا توازن بگڑنے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ تبھی مستقل قائم رہ سکتا ہے اگر فطرت کی طرف سے قائم کردہ اصول وضوابط کی کامل طور پر پابندی کی جائے جس میں کھانے پینے، پہننے اور رہائش اختیار کرنے سے منسلک تمام امور جڑے ہوئے ہیں۔

مختصراً کہا جائے تو عناصر ترکیبی تو وہی ہوتے ہیں جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں لیکن اُن میں تناسب کے فرق سے ایک الگ اور منفرد عضو تخلیق پاتا ہے، جو کہ خالق کی تخلیق کا ایک شاہکار ہے۔ جس کے سبب اولادِ آدم کو تکریم سے نوازا گیا ہے۔ اسی بحث کا دوسرا پہلو کہ انہی عناصر سے تشکیل شدہ وجود کو فطری اصول کے مطابق، ابتداء، ارتقاء، عروج وزوال اور اختتام جیسے قوانین کا

پابند بنایا گیا ہے کہ وقت کی مقررہ حدود میں مذکورہ بالا تمام مراحل سے ہر انسان گزرتا ہے اور یہی قانون پوری کائنات میں سبھی مخلوقات کے لیے یکساں طور پر نافذ العمل ہے جس سے انحراف کسی مخلوق کے دائرہ اختیار میں نہیں۔

دوسری صورت میں انسانی وجود میں روح کی شکل میں "امر ربی" ہے کہ جب تک یہ امر موجود رہتا ہے سبھی رنگ و بو خوشگوار محسوس ہوتے ہیں۔اس امر کی حیثیت بعینہٖ وہی ہے جو پوری کائنات کے نظام کو توازن واعتدال سے چلنے پر قائم رکھے ہوئے امر کی ہے کہ جیسے نظم کائنات تب تک چلتا رہے گا جب تک اس کی واپسی کا حکم (امر) نافذ نہیں کر دیا جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[20]

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے جھڑ پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹیاں چھوٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے اور جب سمندر سلگائے جائیں گے اور جب جانوں کو جوڑا جائے گا۔

جو اس سارے نظام کو لپیٹ دے گا کہ روز جزاء کو قائم کیا جائے، وجود انسانی کی حرکات وسکنات بھی اسی امر کے تابع ہیں کہ جب تک اُس روح کی واپسی کا پیغام نہیں آجاتا یہ وجود کے نظام کا حصہ بنی رہے گی تاکہ زندگی کا تسلسل قائم رہے۔ جس طرح مذکورہ بالا الفاظ میں بیان کیا گیا کہ انسان مرئی وغیر مرئی اجزاء کا مرکب ہے۔اس میں بھی کائنات کی طرح مختلف رنگ موجود ہیں اور فطرت کے قوانین کی طرح اِسے بھی پابند کیا گیا ہے۔اِسے بھی زندگی ملنے کی صورت میں ابتداء، ارتقاء، عروج وزوال اور اختتام کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور آخر میں موت کا ذائقہ چکھ کر فنا سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی تدریجی عوامل کا پابند ہے لیکن اِسے محبت ونفرت، غصہ، کینہ، بغض، حسد ودیگر عناصر سے بھی مزین کیا گیا ہے۔اِسے تجزیہ کرنے کی کامل صلاحیت دی گئی ہے جبکہ باقی تمام مخلوقات جیسا کہ کائنات، فطرت ودیگر سبھی تقدیر کے دائرے میں گھوم رہے ہیں۔کسی کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں لیکن انسان کا معاملہ کچھ اور ہے۔یہ فہم وتدبر بھی رکھتا ہے اور اِسے انتخاب کا پورا حق دیا گیا ہے کہ وہ جس راستے کو چاہے منتخب کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ[21]

اور تم فرمادو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اِسے ہی یہ چیلنج دیا گیا ہے کہ وہ فطری قوانین کا مطالعہ کر کے، ایسے اصول وضوابط مرتب کرے جن پر عمل پیرا ہو کر آسمانوں کے کناروں سے باہر نکل سکے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ[22]

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، تم جہاں نکل کر جاؤ گے (وہاں) اسی کی سلطنت ہے (جس کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ)۔

یہاں سلطان کا لفظ دعوت غور وفکر دے رہا ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیے؟ کس طرح طے کیا جانا چاہیے تاکہ واضح ہو سکے کہ جس سلطان کے بارے میں قرآن حکیم گفتگو فرما رہا ہے اس کا ڈھانچہ نکھر کر کیسا سامنے آتا ہے؟ کیا یہ ذمہ داری اہل اسلام پر لاگو ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا اُس بیان کردہ سلطان کے لیے جیل وجحت محض مسلمانوں کے ذمہ ہے یا عمومی طرز میں بات کو بیان کیا گیا

ہے کہ جو بھی شخص اس سلطان کے قواعد وضوابط وضع کرلے گا وہ آسمان کے کناروں سے باہر جانے کی صلاحیت حاصل کرلے گا؟ اور جب اس سلطان کو تلاش کرنے کی جدوجہد کی جائے گی تو لا محالہ کہیں افراد کا تعین کیا جائے گا تاکہ ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جاسکے۔ کہیں تجربہ گاہ کا انتظام کیا جائے گا تاکہ مشاہدات کو تجربات کی شکل میں ڈھالا جاسکے اور مثبت ومنفی پہلوؤں کا علم حاصل کیا جاسکے تاکہ متعین ہو کہ کن عوامل سے مستقبل میں اجتناب برتنا اور کن پر عمل پیرا ہو کر تعمیری اقدامات اُٹھائے جانے ہیں؟ ایسے متعدد سوالات تشکیل دیے جاسکتے ہیں لیکن موضوع بحث کی طرف لوٹتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے آسمانی دنیا سے باہر قدم رکھنا اچنبھے کی بات ہرگز نہیں، کیونکہ اِسی کے مصور نے اِسے ایسی تصویر دی جیسا اُس نے چاہا ہے اور وہی اختیار دیے جیسی اُس کی مرضی ٹھہری، لہٰذا تخلیقی شاہکار کی طرف لوٹتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ خالق نے اِسے کیسے تخلیق فرمایا۔ فرمان الٰہی ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ[23]

وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے۔

خالق ومالک نے انسان کی جیسی بھی صورت بنائی، چال وڈھال بنائی اُس نے اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق ترتیب دی، لہٰذا یہ کہنا بجاطور پر درست ہو گا کہ جس طرح کائنات وفطرت کے نظامات اُس کی کاریگری کے مظہر ہیں، بعینہٖ انسان کی تخلیق اُن سب سے بڑا شاہکار ہے کیونکہ اسی مخلوق کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[24]

بیشک یقیناً ہم نے آدمی کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں بیان کیے گئے لفظ "تقویم" سے مندرجہ ذیل نکات نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

1. **توازن:** انسانی وجود ہر لحاظ سے متوازن ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے سبھی حرکات وسکنات میں ہمیشہ ایک توازن (Balance) قائم رہتا ہے۔ کہیں سے بھی غیر متوازن دکھائی نہیں دیتا کہ کوئی بھی ناقد دعویٰ کرسکے کہ اس تخلیق میں توازن کے لحاظ سے ازل سے فلاں خامی موجود ہے، جسے دور کیا جانا چاہیے۔
2. **تناسب:** دوسرا عمل تناسب کا ہے کہ اس کے وجود میں جتنے بھی اعضاء ہیں، سبھی مشترک عناصر کی ترکیب سے ترتیب پاتے ہیں لیکن وجود کی بیرونی جلد ہو یا اندرونی اعضاء، سبھی تہوں میں عناصر کا تناسب ایک حیران کر دینے والا جہاں رکھتا ہے کہ وہی عناصر ایک منفرد ترتیب سے باہم ملیں تو دل، گردے، پھیپھڑے، انتڑیاں، شریانیں، معدہ وجگر بنتے چلے جائیں اور انہی عناصر کا تناسب تھوڑا سا تبدیل کر دیا جائے تو ہڈیاں بننا شروع ہو جائیں جو کہ ساخت میں پہلے سے مذکور اعضاء سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں اور یہی عناصر کی ایک تیسری شراکت داری بیرونی جلد کو تشکیل دیتی ہے، تو ہر عضو انسان کا ایک الگ جہاں آباد رکھے ہوئے ہے جو تناسب کا عظیم مظہر ہے جیسا کہ عمومی طور پر انسانی جلد کی بھی سات تہیں (Layers) ہوتی ہیں جو ایک طرف آسمان کے سات طبقات اور زمین کی سات تہوں سے مشابہت رکھتی ہیں اور اس بات کا عین ثبوت ہیں کہ جس طرح کائنات وفطرت میں مشترک اقدار ہیں بالکل اسی طرح انسانی تخلیق میں بھی مشترک اقدار پائی جاتی ہیں، جو ان تینوں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتی ہیں۔
3. **اعتدال:** انسانی وجود میں تیسرا عمل اعتدال کا ہے کہ ہر عضو بنانے والے نے اعتدال سے تخلیق فرمایا ہے، آنکھیں، کان، لب، چہرہ، بازو، پاؤں، ٹانگیں اور سر ودھڑ سبھی اعتدال کا ایک مظہر ہیں، اس کے وجود کا درجہ حرارت ایک حد تک مقرر

فرمایا گیا ہے تا کہ وجود کو استحکام بخشا جاسکے، جس کے بڑھنے سے بخار اور گھٹنے سے مزید کئی عوارض لاحق ہونے لگتے ہیں، خوشی و غم جیسی کیفیات رکھیں کہ اس سے وجود کی تطہیر ہوتی رہتی ہے۔ انسان نفسیاتی لحاظ سے مصائب و آلام کو برداشت کرنے اور ردّ عمل دینے کا عادی ہو جاتا ہے جس سے اس کی طبیعت کی تربیت کی جارہی ہوتی ہے، تاکہ زندگی میں آنے والے مزید مواقع کے لحاظ سے ایک مناسب شخصیت وجود میں آسکے۔

مختصراً کہا جائے تو مذکورہ بالا عوامل تقویم کے معنوں میں پنہاں ہیں کہ جس نے حضرت انسان کو تخلیق فرمایا اس نے اِن تمام عوامل کی مناسب حدود کو بھی مقرر فرمایا۔

کائنات، فطرت اور انسان کے باہمی تعلق میں مشترک اصول وضوابط

آئندہ سطور میں اُن امور کا ذکر کیا جارہا ہے جو کائنات، فطرت اور انسان میں مشترک شمار کیے جاسکتے ہیں تا کہ اِن کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے کہ کیسے یہ تینوں آپس میں منسلک ہیں؟ اور ایک دوسرے پر کیسے اثر انداز ہوسکتے ہیں؟

اوّل: امر الٰہی

مشترک اقدار میں سب سے پہلی قدر "امر الٰہی" کی ہے کہ رب تعالیٰ جب کسی امر کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[25]

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرماتا ہے، ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے۔

لہٰذا پہلا اصول اِن تینوں عناصر میں امر الٰہی کا مشترک ہونا ہے۔

دوم: ابتداء

دوسرا اصول کسی بھی شے کی تخلیق کی ابتداء ہونا ہے کہ جب امر الٰہی نافذ ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس امر کی تخلیق کا مرحلہ آتا ہے کیونکہ جب تک امر ظاہری شکل میں عیاں نہیں ہو جائے گا تب تک اس کی ہیئت کا اندازہ لگانا چنداں آسان کام نہیں ہوتا، لہٰذا کسی شے کی ابتداء ہونا دوسرا اصول ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی بھی ہے کہ:

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ[26]

اللہ پہلے بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا پھر اس کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

سوم: ارتقاء

تیسرا اصول ارتقاء سے منسلک ہے کہ جو شے بھی امر الٰہی سے وجود پاتی ہے وہ پھر تدریجاً پروان چڑھتی ہے۔ پہلے پہل نومولود، پھر کم سنی، بلوغت اور جوانی جیسے مراحل سبھی مخلوقات میں ارتقاء کی عملی صورتیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وجود ارتقائی مراحل کو طے کر رہا ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا[27]

کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں کھول دیا۔

اُسی کائنات کی وسعت کے بارے میں فرمایا گیا کہ:

وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ[28]

اور آسمان کو ہم نے (اپنی) قدرت سے بنایا اور بیشک ہم وسعت و قدرت والے ہیں۔

جبکہ رحم مادر میں انسانی تخلیق کے ارتقائی مراحل کو درجہ ذیل مراحل کی صورت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًاۗ-ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ[29]

اور بے شک ہم نے آدمی کو چُنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اُسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں۔ پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر اُن ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اُٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

چہارم: مقام عروج

کائنات میں کسی بھی شے کو دوام حاصل نہیں، کچھ پیدائش کے ساتھ ہی موت سے ہمکنار ہو جاتی ہیں، کچھ نومولود کی عمر میں، کچھ کم سنی و بلوغت کو پہنچ کر اور کچھ ارتقائی مراحل کو طے کرتے کرتے اپنی حیات کے مقام عروج تک بھی جاتی ہیں۔ یہ ایسا مقام ہوتا ہے جہاں ہر شے اپنی کامل و اکمل صورت کو اختیار کر لیتی ہے۔ اپنے حسن و جمال، رنگ و خوشبو، وضع و قطع میں کامل ہو جاتی ہے۔ ہر ہر پہلو لاجواب ہوتا ہے، ہر ہر رنگ بے مثل و بے مثال شکل اختیار کر جاتا ہے، جسے انسانی وجود کے لحاظ سے ہمیشہ عہد شباب سے یاد کیا جاتا ہے اور جس عہد کی یادیں تادم مرگ ساتھ چلتی ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةًۙ[30]

جب وہ اپنی کامل قوت کی عمر کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا۔

لہٰذا سبھی مخلوقات میں عالم شباب کی صورت میں یہ چوتھا اصول بھی نافذ العمل ہے کہ بچپنے سے جوانی کو پہنچتے ہیں اور پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زوال کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

پنجم: زوال کا سفر

ازلی اصول ہے کہ جس شے کی زندگی کی ابتداء ہوئی ہے وہ سبھی مراحل سے گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ اپنے منطقی انجام کی طرف قدم بڑھا رہی ہے اور اُس کے بڑھتے ہوئے یہ قدم اس بات کی گواہی ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جہاں سے اُس کے زوال کا دور شروع ہو گا اور پھر رفتہ رفتہ موت سے ہمکنار ہو گا، یہ اٹل اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ[31]

اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں کوئی انتہائی ناقص عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

دوام صرف ایک ہی ذات والاصفات کو لائق ہے جیسا کہ اس نے قرآن حکیم میں بیان فرمایا کہ:

وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ[32]

اور تمہارے رب کی عظمت اور بزرگی والی ذات باقی رہے گی۔

اسی کے دوسرے پہلو کو کچھ اس انداز سے بیان فرمایا گیا ہے کہ سبھی شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں اور دنیوی حیات کی حقیقت کھُل کر سامنے آ جاتی ہے کہ فنا سبھی کو ہونا ہے کوئی آج ہو رہا ہے اور کوئی کل ہو گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ:

كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ[33]

زمین پر جتنی مخلوق ہے سب فنا ہونے والی ہے۔

جب ہر شے کو فنا ہونا ہے تو عروج سے قبل ہو یا زوال آنے کے بعد ارذل العمر، ایک حتمی فیصلہ فرما دیا گیا ہے جیسا مذکورہ بالا بحث میں ذکر ہوا اور یہ وہی ارذل العمر ہے کہ جس کے بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ[34]

یا اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے، تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے، اس سے کہ ناکارہ عمر کو پہنچوں، تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کی آزمائش سے اور قبر کے عذاب سے۔

ششم: مقام اختتام

موت، زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ جتنی بھی مخلوقات پیدا فرمائی گئی ہیں سبھی کو اس سے ہمکنار ہونا ہے، سبھی نے اس کا ذائقہ چکھنا ہے کیونکہ حکم ربی لوح محفوظ پر رقم ہے جس سے انحراف ممکنات میں سے ہی نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

كُلُّ نَفسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ[35]

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔

لہٰذا کائنات ہو، فطرت ہو یا ان دونوں کے درمیان رہنے والا انسان ہو، موت سے سبھی کو ہمکنار ہونا ہی ہے، اس سے فرار کسی بھی شے کو حاصل نہیں۔ چاہے وہ ذی روح ہو یا غیر روح ہر شے کو فنا ہونا ہے اور آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق موت لذتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے استفسار فرمایا کہ سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ[36]

لذتوں کو ختم کر دینے والی موت کو کثرت سے یاد کرو۔

پس واضح ہوا کہ فطرت کے اصولوں میں چھٹا اصول موت کا ہر ذی روح پر واقع ہونا بھی ہے، کیونکہ اس سے بڑی کوئی حقیقت نہیں کہ جسے بھی خالق ومالک نے تخلیق فرمایا ہے اُس نے موت کے ذائقہ کو چکھنا ہی ہے۔

کائنات، فطرت اور انسان کے باہمی تعلق میں مشترک اقدار

اوّل: وسعت

یہ کائنات لمحہ موجود تک پھیلتی چلی جا رہی ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شائد
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون [37]

یعنی جب سے اسے تخلیق فرمایا گیا ہے تب سے پھیلتی چلی جا رہی ہے، کیونکہ ہر سُو کن فیکون کا حکم بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے اور یہی حال انسانی افکار کا بھی ہے کہ اُن میں بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ وسعتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ آئے روز سائنسی علوم کے سبب نئی نئی دریافتیں ہو رہی ہیں، نئی نئی مصنوعات بن رہی ہیں، نئے نئے سیّارے دریافت ہو رہے ہیں۔ شبانہ روز انسان کسی نئے ستارے پر کمندیں ڈالتا ہوا نظر آتا ہے کہ اُس نے علوم کے بحرِ بے کنار کی بدولت "اقطار السموات" سے باہر قدم رکھ دیا ہے اور حیرتوں کے نئے

جہاں وا کر رہا ہے، جن کی حدود کا تعین کیا جانا ابھی ممکنات میں سے نہیں، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تمام کدوکاوش کا سہرا اسلام کے سر باندھا جانا چاہیے کیونکہ یہ سب اسلامی تعلیمات ہی کی دین ہے کہ آج شعبہ ہائے حیات بڑھتے چلے جارہے ہیں اور قرآن حکیم میں بیان کردہ حقائق پر مہر تصدیق ثبت کرتے جارہے ہیں، جن کے تھمنے کا فی الوقت کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کی عطاء کردہ وسعتوں کے سبب ہی ممکن ہو رہا ہے۔ لہٰذا کائنات، فطرت اور انسان میں پہلی مشترک قدر وسعت پذیری کی ہے جو ہر سُو دکھائی دیتی ہے۔

دوم: ترتیب و تنظیم

کائنات کی رعنائیاں ہوں، فطرت کی خوشنمایاں ہوں یا انسان کی شہنشایاں ہوں، سبھی میں ایک ترتیب و تنظیم کا عنصر نمایاں تر دکھائی دیتا ہے۔ کائنات کا ہر ذرّہ ازل سے طے شدہ رفتار و فاصلہ کے مطابق سربسجود متعین منزل کی طرف گامزن ہے۔ لمحہ بھر کی تقدیم و تاخیر کا گمان بھی نہیں گزرتا کہ جب سے انہیں خالق نے تخلیق فرمایا ہے انہوں نے حکم عدولی کی ہو۔ فطرت کے اصول وضوابط میں تغیرّ و تبدل "امر الٰہی" کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ فضا میں، زمین پر یا سطحِ زمین سے نیچے کہاں کتنا درجہ حرارت درکار ہے اور کب سے کب تک وہ درجہ حرارت قائم رہے گا اور اس حرارت کی وجہ سے کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی اور ان تبدیلیوں کے سبب ماحول پر کیا اور کیسے اثرات مرتب ہوں گے؟ پھر اُن اثرات کے فی الوقت اور دوررس کیا نتائج برآمد ہوں گے اور اُن نتائج سے کون کتنا مستفید ہو گا؟ اور کہاں باعث تکلیف بنے گا وغیرہ۔ یہ سب اسباب مالکِ دوجہاں نے فطرت کی صورت میں مقرر فرما رکھے ہیں اور اسی طرح پانی کب برسے گا؟ کتنا برسے گا، کہاں کہاں برسے گا اور کہاں اُس کی ایک بوند کی وجہ سے ہلکی سی نمی پیدا ہو گی، کسے فائدہ پہنچائے گا اور کس کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنے گا؟ سب کا سب متعین کیے گئے ضوابط کے تحت ہی ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔

تیسرا فریق فطرت کے اصولوں میں ہوا کی صورت میں موجود رہتا ہے کہ اس کے ذریعے بادلوں کی نقل و حرکت کا تعین کیا جاتا ہے، پھولوں، پودوں کی پولی نیشن میں بروئے کار لایا جاتا ہے کہیں خوشخبری کی صورت میں بھیجا جاتا ہے اور کہیں آندھی وطوفان کی شکل اختیار کرکے تباہی و بربادی برپا کی جاتی ہے، لیکن اس کی حدود کا تعین بھی خالق نے طے فرمایا ہوتا ہے کہ ہوا کی رفتار سست ہو گی تو کہاں سے گزرے گی اور کہاں سے نہیں، ہوا کی رفتار تیز ہو گی تب کیا راستہ اختیار کرے گی؟ یہ سب اُسی مالک کے حکم کے عین مطابق سرانجام پاتا ہے۔

اسی طرح انسان کا بھی اہم کردار ہے کہ اسے خلیفہ بنا کر بھیجا گیا تمام مخلوقات اس کے لیے مسخر کر دی گئیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے استعمال میں لا کر اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ کہیں سے کسی طرح کی کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو گی، فطرت کے اصولوں کا علم حاصل کرکے اپنے زیر نگین رکھ سکتا ہے اور اُس سے جس طرح چاہے استفادہ حاصل کرے۔ لیکن چونکہ یہ سارا نظام باہم ترتیب و تنظیم سے جڑا ہوا ہے اور اس میں تصرف کا اختیار حضرت انسان کے ہاتھ میں دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اُسے قوت فیصلہ سے بھی نوازہ گیا ہے تو جو بھی، جیسا بھی فیصلہ انسان کرے گا اُس کے مثبت و منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ قدرت نے زندگی کے استحکام کے لیے جو حدود مقرر فرمادیں اِن سے تجاوز انسان اپنے قوت فیصلہ کے لحاظ سے کرے گا تو پیدا ہونے والے نتائج کا خمیازہ بھی اُسے ہی بھگتنا ہو گا۔ اگر انسان کے اعمال کے سبب درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے اور قطبین پر جمی برف پگھلنے لگی ہے جس کی وجہ سے پانی معمول کی سطح سے بلند ہوتا جارہا ہے تو اس بلند ہوتے پانی کے منفی اثرات بھی اِسی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں، کہیں سیلاب آرہے ہیں اور کہیں بارشیں تباہی و بربادی لاتی ہیں اور یہ ایسے مسائل ہیں جن کی وجہ سے انسان کو خوراک، رہائش اور لباس سے جڑی

ضروریات کو پورا کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی اسباب ماحولیاتی آلودگی کے پیدا ہونے سے بڑھ رہے ہیں۔ درختوں کا کٹاؤ، زرخیز زمینوں کو بنجر زمین میں تبدیل کرنا اور صنعتی فیکٹریوں، گاڑیوں اور دیگر آلات کے استعمال سے پیدا ہونے والا دھواں جہاں سطحِ زمین پر ماحول کو تباہ کن بنا رہا ہے وہیں یہی آلودگی جب فضا میں پہنچتی ہے تو آسمان کے ماحول کو بھی زہر آلود کر رہی ہے، جس کی وجہ سے اوزون تہہ ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہوتی جا رہی ہے اور یہ وہی حفاظتی حصار ہے جسے رب تعالیٰ نے زمین پر بسنے والی مخلوقات کو سورج کی نقصان دہ شعاؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے تخلیق فرمایا، اسی اوزون تہہ کے سبب زمین کا درجہ حرارت مقررہ حد سے نہ بڑھتا ہے اور نہ ہی کم ہوتا ہے لیکن اس سارے نظام میں خلل حضرت انسان کے اعمال کے باعث پیدا ہو رہا ہے اور اسی کی ہلاکت کا پیش خیمہ بنتا جا رہا ہے۔ انسان کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور اجتماعی کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظمِ کائنات سے اپنے تعلق کو مثبت و درست انداز میں بحال کرنا چاہیے۔

سوم: خوبصورتی و نفاست

کائنات، فطرت اور انسان میں تیسری مشترک قدر خوبصورتی و نفاست کی ہے کہ ہر جگہ، چہار سُو ایک دلکش نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ کائنات کی بابت بات کی جائے تو ستاروں سیاروں، کہکشاؤں اور بروج سے اُسے مزین کیا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ[38]

اور ضرور بیشک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا۔

فطرت کے بارے میں مشاہدہ عام ہے کہ اس میں ایک نفاست موجود ہے۔ جنگل و بیابان میں بھی جسے یکساں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ پھول و کلیاں کھِل رہی ہیں، پرندے چہچہا رہے ہیں، نغمے گنگنا رہے ہیں، ایک ترنم ہے جو سبھی مخلوقات کہ جس میں حشرات الارض سے لے کر دیو ہیکل وجود رکھنے والے جانور بھی شامل ہیں میں تسبیحات کی صورت میں بکھرتا چلا جا رہا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ[39]

ساتوں آسمان اور زمین اور جو مخلوق ان میں ہے سب اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی بھی شے ایسی نہیں جو اس کی حمد بیان کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان چیزوں کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

اسی طرح انسان کی تخلیق بھی ایک شاہکار کی مانند ہے کہ جسے خلیفہ مقرر کیا گیا، تکریم کا تاج اس کے سر پر سجایا گیا، مسجودِ ملائکہ کے منصب پر فائز کیا گیا، اس کا بال بال خالق و مالک کی تخلیق کا منفرد انداز ہے۔ یہ کائنات کی لامحدود وسعتوں سے زیادہ وسیع فکر اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکتا ہے اور پھر بھی اِسے یادداشت کی کمی محسوس نہ ہو گی۔ یہ کائنات و فطرت کی رعنائیوں کو اپنی منشا و مرضی کے مطابق تبدیل کر سکتا ہے اور کوئی اِسے روکے گا نہیں۔ سبھی مخلوقات کو حیل و حجت کے ذریعے اپنا مطیع و فرمانبردار بنا سکتا ہے اور کوئی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہ سب و دیگر تمام اختیارات رب تعالیٰ نے اس "احسن تقویم" کا وجود رکھنے والے انسان کے لیے فراہم کر دیئے ہیں تاکہ اس کی زبانِ حال و قال سے صرف اُسی معبودِ برحق کا کلمہ نکلے۔ یہ اپنے حقیقی معبود کی پہچان رکھے اور اسی کے سامنے سربسجود رہے۔ اسی کے وجود میں تمام کائنات کی رعنائیاں جمع فرما دیں اور اسی وجود میں فطری اصولوں کو موجزن کر دیا اور خوبصورتی و نفاست کا مظہرِ عظیم بنا دیا کہ جس کے مقابل دنیا و مافیہا کی کوئی دوسری مخلوق کھڑی نہیں رہ سکتی۔

چہارم: توازن

موضوعِ بحث میں شامل تمام عوامل ایک توازن کے ساتھ قائم ہیں کسی کا کسی بھی طرف ہلکا سا جھکاؤ یا خم نہیں، جو اُس نظام کو عیب دار بتا سکے، تارے، سیارے، کہکشاں، برج زمین اور انسان کا خود کا وجود بھی اس کا غمازی ہے کہ یہ سب توازن کی عمدہ ترین مثالیں ہیں، ان میں ذرّہ برابر خامی بھی پورے نظام کو تلپٹ کر سکتی ہے، لیکن خالق ومالک کی عجب کاریگری ہے کہ اس نے ہلکی سے جنبش کے مثل بھی اس میں خرابی کا امکان باقی نہیں رکھا اور اتنے وسیع تر نظام کو ایک توازن کے ساتھ قائم فرمایا کہ جس میں کسی بھی قسم کا ستون نظر نہیں آتا، کوئی سہارا دکھائی نہیں دیتا کہ جس سے واضح ہو کہ اس کے ذریعے نظام کو کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ سب کا سب اسی کے امر "کن فیکون" کا مظہر عظیم ہے جس کی مثال پیش کرنا چنداں انسان کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی کسی اور مخلوق کے دست قدرت سے ایسا ہونا ممکن ہے۔

سبھی عناصر وعوامل میں ایک توازن واعتدال ہے۔ موسم سرما سے گرما کی طرف منتقلی کا سفر ہے تو بھی ایک اعتدال کے ساتھ۔ خزاں ہو، بہار ہو ہر سال ایک توازن کے ساتھ چلے آ رہے ہیں، ستاروں وکہکشاؤں کا جہاں ہو سبھی ایک متوازن اور معتدل رفتار سے جانبِ منزل گامزن ہیں، اسی طرح انسانی زندگی کا بھی معاملہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تاحال آمد ورفت جاری وساری ہے، زندگی رواں دواں ہے۔ انسان کی شکل تبدیل ہوتی ہے مگر زندگانی راہِ اعتدال پر گامزن ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں آ رہی۔ یہ سب اُسی خالق ومالک کی کاریگری ہے کہ چہرے تبدیل فرماتا ہے مگر نظام زندگی اُسی توازن واسی اعتدال کے ساتھ چلے جا رہا ہے جو کہ "ھل تریٰ من فطور" کی صورت میں بیان ہوا کیونکہ کائنات، فطرت اور انسان کی ذمہ داری اُسی کے دستِ قدرت میں ہے۔

پنجم: تدریج

عمل تدریج اس نظام کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ نظم کائنات میں ہر ذی روح وغیر روح سبھی تمام مراحل سے تدریجاً ہی گزرتے ہیں، ایسا کسی بھی شے کے لیے ممکن نہیں کہ وہ یکبارگی شیر خوارگی سے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے یا جو مقررہ وقت ہے اس سے پہلے رفتار بڑھا کر پہنچ جائے کہ ابھی اس امر کو انجام دینے کا وقت نہیں ہوا، لیکن وقت بچانے کی خاطر پہلے قدم اٹھانا پڑا۔ کائنات میں موجود ہر سیارہ متعین رفتار سے گھوم رہا ہے جیسا "کل فی فلک یسبحون" کے ضمن میں بیاں کیا گیا ہے۔ سائنسی علوم میں سورج، چاند اور زمین کی گردش کے ایام میں مخصوص شمار کیے جاتے ہیں چاند 29 سے 30 دن میں ایک چکر مکمل کرتا ہے اور زمین کم وبیش 365 ایام میں ایک گردش مکمل کرتی ہے، اسی طرح دیگر ستاروں وکہکشاؤں کے بارے میں اندازے بیان کیے جاتے ہیں۔

بعینہٖ فطرت کے اصولوں کو دیکھا جائے تو دن کا آغاز طلوع آفتاب سے ہوتا ہے، پھر اشراق، دوپہر، سہ پہر اور پھر غروب آفتاب اور اسی طرح رات کا آغاز بھی چار پہر پر مشتمل شمار کیا جاتا ہے تو یہ آٹھ پہر کا وقت روشنی سے اندھیرا اور اندھیرے سے اجالا سبھی ایک تدریج کے ساتھ وقوع ہوتے ہیں اور اگلے مرحلے کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بظاہر غروب آفتاب کا وقت روشنی کے خاتمے کا وقت لگتا ہے اور اندھیرے کا آغاز اور اسی طرح صبح کے وقت اندھیرا ختم ہوتا دکھائی دیتا ہے اور روشنی کا آغاز لیکن یہ صرف وقتی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے جبکہ حقیقت میں اندھیرا اور اجالا ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں اور دائرے میں فطری اصول کے مطابق گردش کر رہے ہیں، نہ تو ہر صبح کسی نئے اجالے کا آغاز ہوتا ہے اور نہ ہی ہر شام اندھیرے کا۔ پہلی بار تخلیق کے بعد موسموں کے لحاظ سے جو حدود متعین فرما دی گئی ہیں، سبھی امور اپنے وقت پر بتدریج ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں اور اپنی منزل کی طرف گامزن ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اسی طرح انسان کی زندگی کا بھی مشاہدہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس کے وجود کو بھی اول بار باری تعالیٰ نے اپنے دست قدرت

سے تخلیق فرمایا اور ایک فطری اصول مقرر فرما دیا کہ مرد و عورت کے جنسی ملاپ سے اگلی نسل کا آغاز ہوا کرے گا اور اس کے بعد تا قیامت یہی اصول سبھی مخلوقات پر نافذ فرما دیا گیا، کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جو اس اصول کی خلاف ورزی کرے اور پھر اس کے منفی اثرات سے محفوظ بھی رہ سکے۔ جس کی واضح مثال تاریخی و مذہبی لٹریچر میں قوم لوط کی صورت میں ملتی ہے کہ انہوں نے فطری قوانین سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنا لیا اور پھر خالق و مالک نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور آج بھی دنیا میں کچھ افراد پھر وہی معاملہ دوہرائے جانے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو انجام پھر بھی وہی ہو گا کیونکہ ازلی قانون کبھی مالک کی منشاء و مرضی کے بغیر تبدیل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح انسان کی زندگی و موت کا مشاہدہ کیا جائے کہ وہ پیدا ہونے کے بعد بتدریج شیر خوارگی، بلوغت، جوانی اور بڑھاپے سے گزر کر وفات پانے کے مرحلے تک پہنچتا ہے نہ کہ یکمشت ہی وہ ولادت کے بعد 60 یا 70 سال کی عمر کو پہنچ جائے اور اگلے ہی لمحے موت سے ہمکنار ہو جائے۔ یہ ایک عمومی اصول ہے جس میں مستثنیات شمار نہیں کی جاتیں کہ بعض افراد ولادت سے قبل یا فوراً بعد ہی وفات پا جاتے ہیں کچھ جوانی میں اور کچھ بڑھاپے میں پہنچ کر، لیکن چونکہ موت برحق ہے اس لیے کائنات میں کسی بھی شے کو اس سے چھٹکارہ ممکن نہیں اور نہ ہی اس سے دوری اختیار کر لینا کسی کے بس کی بات ہے اور نہ ہی موت کو کسی کے اختیار میں دیا ہے۔ لہٰذا جلد یا بدیر ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ "كل نفس ذائقة الموت" مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ عمل تدریج کی صورت میں بھی ایک فطری اصول نافذ العمل ہے جس کے مطابق نظم کائنات چلے جا رہا ہے اور سبھی مخلوقات اسی اصول پر کاربند رہ کر ہی زندگی گزار رہی ہیں۔

ششم: تطبیق و مطابقت

تمام عناصر و عوامل باہم منسلک ہیں۔ کسی ایک کو بھی قوت اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کرے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنی طے شدہ ترتیب سے محوِ سفر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ[40]

سب ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ:

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ[41]

سورج کو لائق نہیں کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جانے والی ہے۔

جیسے ہی صبح صادق کا وقت ہوتا ہے اندھیرا چھٹنے لگتا ہے، جو بتدریج طلوع آفتاب میں منتقل ہو جاتا ہے اور اسی طرح دن کے چاروں پہر باہم منسلک ہیں کہ جیسے جیسے سورج بلند ہوتا جائے گا روشنی بڑھتی جائے گی اور جیسے جیسے ڈھلنے لگے گا روشنی کم ہوتی چلی جائے گی، اسی طرح غروب آفتاب کے بعد اندھیرا بڑھنے لگتا ہے اور روشنی کم ہونے لگتی ہے لہٰذا دن و رات کا ایک نظام تشکیل دیا گیا ہے جو باہم مربوط ہے، ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایک کا اختتام دوسرے کا نقطہ آغاز اور دوسرے کا مقام اختتام پہلے کا نقطہ آغاز۔ یہی نظم پوری کائنات میں کارفرما دکھائی دیتا ہے کہ موسم گرما و سرما ہو یا بہار و خزاں کا دور ہو، سبھی ہر سال مقررہ وقت اور متعین حدود میں آتے اور چلے جاتے ہیں، کبھی ان میں ردّوبدل کا گمان یقینی طور پر ممکن نہیں اور نہ ہی کمی بیشی کا تصور ذہن میں لایا جا سکتا ہے، سورج، چاند، ستارے، سیارے، بروج اور کہکشائیں سبھی ایک مربوط اور مطابقت کے ساتھ بندھے ہوئے اپنی اپنی منزل کی جانب گامزن ہیں۔ نہ ہی کسی مخلوق کے اختیار میں ہے کہ وہ دیگر مخلوقات کے درمیان حائل فاصلے کو کم کر سکے اور نہ ہی بڑھانے کی صلاحیت

عطاء فرمائی گئی ہے۔جو درجہ حرارت کی مقدار کسی بھی ستارے یا سیارے کو ازل سے عطاء فرمادی گئی ہے سبھی کا نظام اُسی حرارت وروشنی کی حدود میں بہترین انداز میں چلے جارہا ہے، حتیٰ کہ غیر معمولی سی کمی بیشی بھی نظم کائنات کو درہم برہم کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اسی طرز پر حضرت انسان کے وجود کو بھی پرکھ لیا جائے تو یہاں بھی تطبیق واضح دکھائی دیتی ہے کہ وجود انسانی کو ہڈیاں سہارا دیئے ہوئے ہیں حتیٰ کہ حادثے کی صورت میں یا پیدائشی طور پر نقص پیدا ہونے کی وجہ سے جہاں سے ہڈی ہٹ جائے یا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے وہاں سے جسم کو اصلی حالت میں قائم رکھ پانا ممکن نہیں، لہٰذا یہ بھی تطبیق کی ایک عمدہ مثال ہے۔

اسی طرح انسانی دماغ کا کام زیر بحث لایا جائے تو اس کا بھی نہایت اہم کردار ہے کہ پورے وجود کے اندرونی وبیرونی افعال کو ایک نظام کے تحت بروئے کار لاتا ہے، فوائد سے آگاہ کرتا ہے اور نقصانات پر متنبہ، انسانی دل کا بھی بنیادی کردار ہے کہ رگ رگ میں خون کی مطلوبہ مقدار کو بروقت پہنچاتا ہے اور اگر کہیں خون کے پہنچنے میں دیر ہو جائے تو انسانی زندگی کے لالے پڑ جاتے ہیں، موت کے قریب پہنچ جاتا ہے یا ہمکنار ہو جاتا ہے، معدہ ہے تو اس کا کام ملنے والی خوراک کو ہضم کرکے وجود کا حصہ بنانے کے قابل بنانا ہے اور جو ناکارہ مواد ہو گا اُسے خارج کرنے والے مقام کی طرف روانہ کرنا ہے، گردے ہیں تو پانی کے غیر مطلوب یا مہلک قطروں کو وجود سے نکالنے کی ذمہ داری نبھاتے ہیں، پاؤں ہیں تو وجود انسانی کو توازن فراہم کرتے ہیں۔بیرونی جلد کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم پڑتا ہے کہ جیسے ایک ایک اینٹ جوڑ کر عمارت تعمیر کی جاتی ہے ویسے ہی انسانی وجود کے خلیوں کا حال ہے کہ ایک ایک خلیہ آپس میں ملا ہوا ہے اور ایک دوسرے کو سہارا فراہم کر رہا ہے کسی ایک خلیے کی خرابی ہمسائیگی میں موجود دوسرے خلیوں کو بھی عارضہ لاحق کر دیتی ہے اور پھر چلتے چلتے پورے وجود کو لاغر کر دینے کا سبب بن جاتے ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے تمام خلیے باہم ربط وتعلق پیدا کرکے تطبیق کی عمدہ مثال قائم کرتے ہیں۔

علیٰ ہذاالقیاس! کونسا عضو ہے جو باہم ملا ہوا نہیں ہے اور مطابقت کا مظہر عظیم نہیں ہے کہ جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ اس کے بغیر انسانی وجود مکمل ہے یا اُسے ازل سے ناکارہ قرار دیئے جانے کے قابل گردانا جاسکے۔سبھی اعضاء لازم ہیں اور سبھی کا آپس میں تعلق جڑا ہے اور جب تک ان میں درست انداز میں مطابقت قائم نہیں ہوتی وجود انسانی کو سنبھالنا مشکل تر ہو جاتا ہے، لہٰذا کائنات، فطرت اور انسانی وجود میں قدر مشترک "تطبیق" کا عنصر بھی شامل ہے کہ کائنات کے بارے میں "هل ترى من فطور" اور انسان کی تخلیق کے بارے میں "احسن تقويم" کا اعلان دونوں میں تطبیق کو واضح کر دیتا ہے۔

ہفتم: تکثیر

نظام کائنات میں کثرت بھی ایک اہم عنصر ہے۔کائنات، فطرت اور انسان تینوں عوامل میں تکثیر کا عنصر باہم مشترک ہے کہ کائنات میں تارے، سیارے، بروج، کہکشاں اور ان گنت مخلوقات موجود ہیں، جیسے جیسے انسان سائنسی لحاظ سے ترقی کے منازل طے کر رہا ہے ویسے ویسے اُن پر عیاں ہوتا جارہا ہے کہ دیگر سیاروں کے نسبت سے کرہ زمین تو بہت چھوٹا سیارہ ہے جبکہ ایسے لاتعداد جہاں انسانی آنکھ سے ابھی اوجھل ہیں جن کے بارے میں درست گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کی مقررہ تعداد کیا ہو سکتی ہے یہ بالکل وہی منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے کہ:

اسی روز وشب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں ومکاں اور بھی ہیں[42]

اسی طرح فطرت کے لحاظ سے بحث کی جائے تو اُن اصول وضوابط کو شمار کرنا بھی دشوار ہے جو ہر سُو کار فرما ہیں۔ جن کے بارے میں انسان کے اختیار میں ہی نہیں کہ وہ معلوم کرسکے کہ اُن کی حقیقی تعداد و ہیئت کیا ہے؟ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کرہ ارض پر پانی کتنے قطروں کی صورت میں موجود ہے؟ کوئی شخص ہوا کو کامل صورت میں قید نہیں کر سکتا کہ جس کے بعد یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ اب ہوا کی ہلکی سی مقدار بھی اِس چار دیواری سے باہر موجود نہیں۔ دن ورات کو انسان روشنی واندھیرے کی شکل میں ماپتا ہے لیکن اِن کی اصل ماہیت کیا ہے، ان کے پسِ منظر میں کیا حکم کار فرما ہے؟، ان کا منبع ومصدر کی ہیئت کیا ہے؟ اور اُن کے منبع ومرکز کو کب سے کب تک متعین کر رکھا ہے کسی کے لیے درست پیشین گوئی کرپانا ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح مٹی کے ذرّات کی حقیقی تعداد کیا ہے؟ ریت کے ذرّات کی تعداد کیا ہے؟ ابھی تک کے معلوم 92 عناصر کتنی مقدار میں موجود ہیں؟ سونا، چاندی، ہیرے جواہرات حتیٰ کہ محتاط اندازے کے مطابق انسان کے علاوہ جتنی بھی دیگر مخلوقات ہیں ان کا صحیح تخمینہ لگانا بھی ممکنات میں سے نہیں۔

انسان کے وجود کی بابت بات کی جائے تو انسانی جلد میں موجود خلیوں کی تعداد کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، جلد پر موجود بالوں کی تعداد کے بارے میں بتانا ممکن نہیں، اسی طرح انسانی وجود کی رگ رگ میں بہنے والے خون کے قطروں کو شمار کرنا ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ انسانی ذہن میں پنپنے والے خیالات وتصورات کا شمار کرپانا کسی کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ یہ سب کثرت سے موجود ہیں اور اسی انسان کی خوراک، لباس اور رہائش جیسی بنیادی ضروریات وخواہشات کی تکمیل کے لیے موجود وسائل کو گِن پانا ممکنات میں سے نہیں۔ لہٰذا واضح ہوا کہ کثرت بھی نظام کائنات کا ایک اہم جزو ہے جسے احاطۂ تحریر میں لانا کسی بھی شخص کے بس کی بات نہیں اور ہو بھی کیسے کہ جب خالق ومالک نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمادیا کہ:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَاؕ[43]

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہیں کرسکوگے۔

نتیجہ بحث

کائنات، فطرت اور انسان کے باہمی تعلق کا بغور مشاہدہ کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ وجودِ انسانی میں کائنات کے تمام عناصر سمو دیئے گئے ہیں اور انہی فطری اصولوں کے مطابق ڈھال کر ایک شاہکار تخلیق کر دیا گیا ہو کہ انسان خالق ومالک دوجہاں کی جناب سے ایک کُل کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی کُل کا ایک جزو کائنات ہے اور دوسرا جزو فطرت کے اصول وضوابط۔ مختصراً کہا جائے تو کائنات اور فطرت سمٹ کر اور "امر ربی" کی گرہ لگا کر وجودِ انسانی میں مجتمع کر دیئے گئے ہیں اور اگر انہی تین عناصر کو جدا جدا کر کے نظارہ کیا جائے تو پوری کائنات تشکیل پاتی ہے، جیسا کہ چکبست برج نارائن سے منسوب ایک شعر زبان زدِ عام ہے کہ:

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

لہٰذا مذکورہ بالا کامل بحث کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے تو انسان کو چاہیے کہ کائنات کی خوبصورتی ورعنائی میں اور فطری اصول وضوابط کے ساتھ جو کھلواڑ برپا کر رکھا ہے اس کے بارے میں سنجیدگی اختیار کرے اور تاریخی شواہد اور عصری تنبیہات کو مد نظر رکھ کر، ممکنات کو بروئے کار لاتے ہوئے، ترجیحات کو تبدیل کیا جانا چاہیے تاکہ تنقیحات کے عمل کا آغاز ہوسکے اور مجوزہ ترمیمات کی روشنی میں محفوظ وبہتر مستقبل کے لیے مثبت اقدامات اٹھائے جاسکیں اور کائنات، فطرت اور انسان کا جو باہمی تعلق ہے اُسے ازلی ترتیب وتنظیم کی شکل میں واپس ڈھالا جاسکے، تاکہ خلافت کے منصب کے تقاضوں کو باحسن وخوبی ادا کیا جاسکے۔

References

1 Al-Qurʾān 2:30.
2 Al-Qurʾān 51:47.
3 Al-Qurʾān 21:104.
4 Al-Qurʾān 67:3.
5 Ibid., 67:5.
6 Al-Qurʾān 3:190.
7 Al-Qurʾān 21:33.
8 Al-Qurʾān 6:97.
9 al-Tabrīzī, Muḥammad ibn ʿAbd Allāh, *Mishkāt al-Maṣābīḥ* (Beirut: al-Maktab al-Islāmī, 1980), 2:1296, ḥadīth no. 4602.
10 Al-Qurʾān 67:2.
11 Al-Qurʾān 3:185.
12 al-Bukhārī, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Egypt: al-Sulṭāniyyah bi-al-Maṭbaʿah al-Kubrā al-Amīriyyah, 1311 AH), 8:89, ḥadīth no. 6415.
13 al-Tirmidhī, Abū ʿĪsā Muḥammad ibn ʿĪsā, *al-Jāmiʿ al-Kabīr (Sunan al-Tirmidhī)* (Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī, 1996), 4:152, ḥadīth no. 2323.
14 Al-Qurʾān 67:2.
15 Al-Qurʾān 2:30.
16 Al-Qurʾān 9:71.
17 Al-Qurʾān 30:30.
18 al-Tirmidhī, *al-Jāmiʿ al-Kabīr*, 4:16, ḥadīth no. 2138.
19 Al-Qurʾān 91:8.
20 Al-Qurʾān 81:1.
21 Al-Qurʾān 18:29.
22 Al-Qurʾān 55:33.
23 Al-Qurʾān 3:6.
24 Al-Qurʾān 95:4.
25 Al-Qurʾān 36:82.
26 Al-Qurʾān 30:11.
27 Al-Qurʾān 21:30.
28 Al-Qurʾān 51:48.
29 Al-Qurʾān 23:12.
30 Al-Qurʾān 46:15.
31 Al-Qurʾān 16:70.
32 Al-Qurʾān 55:27.
33 Ibid., 55:26.
34 al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, 8:80, ḥadīth no. 6374.
35 Al-Qurʾān 29:57.
36 al-Tabrīzī, *Mishkāt al-Maṣābīḥ*, 1:504, ḥadīth no. 1607.
37 Muḥammad Iqbāl, *Bāl-i Jibrīl* (Hyderabad Deccan: Sulṭān Book Depot, 2000), 89.
38 Al-Qurʾān 67:5.
39 Al-Qurʾān 17:44.
40 Al-Qurʾān 21:33.
41 Al-Qurʾān 36:40.
42 Iqbāl, *Bāl-i Jibrīl*, 90.
43 Al-Qurʾān 16:18.